جامعہ حقانیہ کا ترجمان

# مجلہ الحقانیہ

ساہیوال
ضلع سرگودھا

ذوالقعدہ/ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ اکتوبر ۲۰۱۲ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

# فہرست




خط و کتابت کیلئے : دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

048–6786002/6786899

کلمۃ الحق　　　　　مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

# وفیات

۲۷/شعبان المعظم کو جامعہ حقانیہ کے استاذ مولانا امام الدین صاحب رحمہ اللہ اور ۴/رمضان المبارک ۳۳ھ کو جامعہ امدادالعلوم محمود کوٹ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ اور ۲/شوال المکرم کی شب میں احقر کے ماموں جان سید شمشاد حسین صاحب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ ان سب حضرات کی مغفرت فرمائیں، پسماندگان کو اجر و صبر سے نوازیں، آمین۔

''مجلہ الحقانیہ'' کے ادارتی صفحات میں اس مرتبہ ان سب مرحومین مذکورین سے متعلق مختصراً اپنے تاثرات تحریر کیے جارہے ہیں اس لیے ''سرنامہ'' کا عنوان وفیات رکھ دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے حضرت مولانا مفتی محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ کا ذکر کیا جائے گا اس کے بعد دیگر حضرات کا ذکر خیر ہو گا۔

## حضرت مولانا مفتی محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ

۴/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ کو یہ معلوم ہو کر افسوس ہوا کہ ہمارے مخدوم و مکرم مشفق و مہربان حضرت مولانا مفتی محمد صدیق صاحب مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ امدادالعلوم محمود کوٹ انتقال فرما گئے۔ حضرت موصوف ۲۷/شعبان المعظم ۳۳ھ کو اپنے شاگرد عزیز محترم مولانا امام الدین صاحب مرحوم کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بستی چانڈیاں تونسہ تشریف لائے تھے، اس وقت حضرت کی زیارت، مصافحہ، معانقہ اور مختصر گفتگو بھی ہوئی، کبر سنی اور مختلف امراض، سفر اور شاگرد رشید کی جواں مرگ کے تاثرات سے حضرت موصوف کا ضعف و اضمحلال واضح تھا اس کے باوجود آپ بڑے

تحمل اور حوصلہ سے ملے اورخیریت دریافت کی۔ برخورداران مولوی عبدالناصر وعبدالملک سلمہا کو بھی دعائیں دیں اس کے بعد ہم حضرت سے مل کر واپس ہوئے، طویل سفرکے بعد صبح ساہیوال پہنچے اس دن دس بجے کے قریب برخوردار مولوی عبدالملک سلمہ نے حضرت کے حادثہ کا بتایا، اسی وقت فون پر مولانا اللہ بخش صاحب زیدمجدہم سے رابطہ کیا، انہوں نے حادثہ کی تفصیلات بتلائیں اور یہ کہ حضرت نشتر ہسپتال ملتان میں داخل ہیں، قدرے تشویش ہوئی، تاہم اس خبرسے اطمینان ہواکہ حضرت ہوش میں ہیں اور حالت خطرہ سے باہر ہے مسلسل رابطہ رہا، تین دن گزرنے پر حالت تشویش ناک معلوم ہوئی بالآخر ۴/ رمضان المبارک کووصال کی اطلاع پاکر بہت صدمہ ہوالیکن سوائے صبرکے چارہ نہ تھا، مزیدافسوس یہ کہ احقراپنی شدیدناسازی طبع کی وجہ سے باوجود شدید خواہش کے جنازہ میں شرکت نہ کرسکا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا تعارف پہلی مرتبہ احقرکوبرادر محترم جناب حضرت مولانا اللہ بخش صاحب زیدمجدہم مدرس جامعہ خیرالمدارس ملتان کے ذریعہ ہوا، موصوف ۱۴۰۹ھ کے آخرمیں جب جامعہ حقانیہ میں بطورمدرس کے تشریف لائے توانہوں نے آپ کے حالات، علمی مرتبہ ومقام نیزانتہائی تواضع، سادگی، اکابرسے محبت اور تدریس کی بے پناہ صلاحیتوں کاذکرفرمایاجس سے حضرت کی طرف قلبی میلان ہوا، اور بے ساختہ دل میں زیارت کی خواہش پیداہوئی۔

حضرت والدماجدقدس سرہ کاغائبانہ تعارف انہیں بہت پہلے سے تھا، لیکن مولانا اللہ بخش صاحب کی معرفت جب وہ حضرت کی شخصیت اوران کی علمی خدمات اوردیگر روحانی کمالات وملکات سے واقف ہوئے توایک تقریب کے حوالہ سے وہ ۱۴۱۲ھ کے آخرمیں جامعہ حقانیہ تشریف لائے اس طرح احقرکوپہلی مرتبہ آپ کی

زیارت کا موقع ملا آنجناب کے متعلق غائبانہ طور پر جو کچھ سنا تھا آپ سے ملاقات نے نہ صرف اس کی تصدیق کی بلکہ بلامبالغہ آپ کو اس سے کہیں بڑھ کر پایا اور یہ کہنا پڑا : لیس الخبر کالعیان۔آپ کی سادگی ،تواضع اور بے تکلفی نے دل پر گہرا اثر کیا، خود حضرت والدماجد ؒ بھی بہت متاثر ہوئے ،حضرت مفتی صاحب ؒ حضرت والدصاحب سے بہت پہلے سے متعارف تھے لیکن اس سے پہلے ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا جیسا کہ انہوں نے خود ہی اس کا تذکرہ اپنے مضمون میں فرمایا چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :

''حضرت ؒ کے اسم گرامی سے تو متعارف تھا بلکہ آپ کے کچھ علمی مضامین بھی پڑھ چکا تھا اس ''تصور بوجہ ما'' کے بعد زیارت کا بے حد متمنی تھا۔جن ایام میں عزیز مولوی اللہ بخش صاحب مظفر گڑھی (حال مدرس جامعہ خیرالمدارس ) جامعہ حقانیہ کے درجہ کتب میں مدرس تھے انہی کی وساطت سے زیارت کا شرف حاصل ہوا''۔ (حیات ترمذی ٦٩٦)

حضرت مفتی صاحب ؒ کا خیال تھا کہ پہلی حاضری میں حضرت سے صرف تعارف اور مختصر گفتگو ہی ہو سکے گی ،زیادہ وقت نہیں مل سکے گا،لیکن حضرت والدماجد ؒ جو اہل علم کے قدردان اور اپنے اکابر کے تذکار کے عاشق زار اور دور سے آنے والے حضرات کو اپنے ہر آرام پر ترجیح دینے والے تھے ،جب رفتہ رفتہ حسب عادت مبارکہ گفتگو میں کھلے تو وقت کی قید ہی نہ رہی ،آپ نے مختلف موضوعات پر جب خوب سیر حاصل کلام فرمایا تو حضرت مفتی صاحب بہت محظوظ ہوئے اور آپ کی اس بے تکلفی پر حیرت زدہ رہ گئے ،چنانچہ خود فرماتے ہیں :

''چونکہ یہ پہلی حاضری تھی اندازہ یہی تھا کہ محض علیک سلیک پر اکتفا ہو گا خصوصاً حاضری کے وقت جب حضرت کو دیکھا کہ کتب بینی میں مصروف ہیں (شاید کہ

احکام القرآن کی تکمیل کا کام تھا) تو یہ خیال درجہ یقین کو پہنچ گیا کہ سرسری ملاقات ہوگی۔ لیکن مصافحہ اور مختصر تعارف کے بعد جب حضرت رحمہ اللہ پوری طرح متوجہ ہوئے اور اکابر رحمہم اللہ کی پر لطف علمی اور عملی باتیں شروع فرمائیں خصوصاً جبکہ انہوں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا تذکرہ اس والہانہ بلکہ عاشقانہ انداز سے کیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور میں نے محسوس کیا کہ حضرت مرحوم مجھے مدت مدیدہ سے جانتے ہیں''۔ (ایضاً)

حضرت مفتی صاحب اس تفصیلی ملاقات کے بعد اگلے روز واپس تشریف لے گئے، حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کو محمود کوٹ کی دعوت بھی دی احقر کو بھی وہاں حاضر ہونے کا شوق پیدا ہوا، پھر جب مولانا اللہ بخش صاحب حسب قرارداد ایک سال کے بعد محمود کوٹ میں مدرس ہوئے، ان کے بیٹے حافظ سعید الرحمٰن سلمہ نے ۱۴۱۵ھ میں قرآن کریم حفظ کیا، اس کی تقریب میں انہوں نے محمود کوٹ مدرسہ امداد العلوم میں حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کی تشریف آوری کا پروگرام بنایا اور یہ پروگرام صرف محمود کوٹ کی حد تک نہیں بلکہ دیگر کئی مدارس کے دورہ پر محیط تھا جس میں احیاء العلوم عید گاہ مظفر گڑھ جامع مسجد مظفر گڑھ کنز العلوم قصبہ گجرات جامعہ مظاہر العلوم کوٹ ادو شامل تھے۔ حضرت والد صاحب کے ساتھ اس سفر میں جامعہ کے استاذ مولانا محمد ظفر اللہ صاحب اور احقر ناکارہ بھی شامل تھے، اسی سفر میں حضرت مولانا عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ کے مزار پُر انوار پر حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اور سب مدارس میں حضرت کے بیانات ہوئے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بڑی محبت کا مظاہرہ فرمایا۔ تمام مدارس میں حضرت کو خود لے گئے اور ہر طرح سے حضرت کی راحت کا خیال فرمایا۔ حضرت مفتی صاحب کے قلم حقیقت رقم نے اس کا ذکر یوں فرمایا ہے:

''اس کے بعد حضرت نے اپنے لخت جگر عزیز مولانا السید عبد القدوس کی

معیت میں مظفر گڑھ کیلئے مستقل سفر اختیار فرمایا وہ متعدد دینی مدارس میں تشریف لائے۔ احیاء العلوم عید گاہ مظفر گڑھ، جامع مسجد مظفر گڑھ، کنزالعلوم قصبہ گجرات، جامعہ مظاہر علوم کوٹ ادو میں آپ کے بیانات ہوئے اور خصوصی مجالس بھی ہوئیں۔

امداد العلوم کے احباب نے حضرت کی تشریف آوری کو رحمت ایزدی سمجھتے ہوئے مدرسہ کے تحفیظ القرآن کے طلباء کی دستار بندی اور حافظ سعید الرحمن ولد مولوی اللہ بخش کے ختم القرآن کی تقریب کا پروگرام بنا لیا اس موقع پر حضرت مولانا عبدالقدوس کا مفصل بیان ہوا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان فرمایا اور رات کو مدرسہ میں قیام رہا۔ متواتر سفر متواتر بیانات پھر پیرانہ سالی سے میں نے اندازہ کیا کہ عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ آرام فرمائیں گے اس لئے بستر وغیرہ کا انتظام کر لیا گیا لیکن نماز سے فارغ ہوتے ہی جب حضرت طلبہ کے مجمع میں بیٹھے اور گفتگو شروع ہوئی تو پھر کھلتے بلکہ اکھلتے گئے اور بلا مبالغہ گھنٹے گذر گئے۔

بزرگان دین کی روحانی قوت کے متعلق سنا تو تھا لیکن ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' کا منظر میں نے اپنی زندگی میں اسی رات دیکھا''۔ (حیات ترمذی،٦٩)

حضرت مفتی صاحب چونکہ جامعہ دارالعلوم کبیروالہ کی شوریٰ میں بھی شامل تھے سالانہ اجلاس میں حاضری کے موقع پر ان کی زیارت اور ان کے ساتھ اجلاس میں شرکت، اہم امور میں ان کی رائے گرامی سننے اور استفادہ کا موقع ملتا وہ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے، ایک مرتبہ دارالعلوم کبیروالہ میں آپ نے بخاری شریف کی آخری حدیث پاک کا درس بھی دیا جو نہایت جامع مانع اور وقیع الفاظ اور شستہ وصاف تعبیرات کے ساتھ بڑے آسان انداز پر مشتمل تھا ہر ایک کو بڑی آسانی سے سمجھ میں آرہا تھا، تدریس میں آپ کی مہارت مسلم تھی یہ درس بھی اسی کا ایک نمونہ تھا۔ درس

وتدریس کے علاوہ افتاء میں بھی آپ کو خاص شغف تھا، احقر نے ایک مرتبہ میراث کے مسائل پر مشتمل تفصیلی فتویٰ لکھا، سوال کئی بطون پر مشتمل تھا مناسخہ کے اصول کے مطابق تمام بطون کے حصص الگ الگ نکال کر ایک مخرج کا بیان کرنا ضروری تھا، احقر نے الگ الگ ہر بطن کے حصص تو بیان کر دیے لیکن ایک مخرج کا ذکر نہیں کیا، احقر کا تحریر کردہ جواب حضرت مفتی صاحب کے پاس پہنچا تو آپ نے جواب کی تصدیق کے ساتھ تمام بطون کا ایک مخرج بھی نکال کر تحریر فرمایا، جواب کی تغلیط نہیں فرمائی بلکہ عملی تصحیح فرمادی جسے دیکھ کر احقر کو اپنی کوتاہی کا احساس ہوا، حضرت کی اس شفقت سے طبیعت پر ایک خاص اثر محسوس ہوا اور دل سے ان کے لیے دعائیں نکلیں۔

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کے سانحۂ انتقال وار تحال پر تعزیت کے لیے حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب، حضرت مولانا مسعود احمد صاحب مدظلہما اور دیگر علماء کرام کے ساتھ ساہیوال خود تشریف لائے، تعزیت کی اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی، جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے پورے علاقہ کے لیے ایک علمی دینی راہنما تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کا علمی دینی فیض دور دور تک پہنچایا، بڑے بڑے حضرات ان کے فیض سے سیراب ہوئے، ان کا سایہ شفقت علاقہ کے لیے بطور خاص ایک رحمت تھا ان کے انتقال سے آپ کی برکات سے سب کو محرومی کا احساس ہو رہا ہے۔ تاہم ان کا جامعہ، ہزاروں تلامذہ اور نیک و صالح اولاد ان کے لیے عظیم صدقہ جاریہ اور باقیات صالحات ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائیں اور ان کے فرزندگان گرامی خاص طور پر حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی زید مجدہم کو ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی مزید توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

## مولانا امام الدین تونسوی رحمہ اللہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کے پرانے استاذ عزیز گرامی قدر مولانا امام الدین صاحب، ۲؍شعبان المعظم ۴۳ھ بروز بدھ کو اپنی بستی کے قریب راستہ میں ناگاہ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے انتقال کر گئے ، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فون پر یہ اندوھناک خبر سن کر یقین ہی نہیں آرہا تھا لیکن ان ما یقضی فسوف یکون۔ دوبارہ رابطہ پر یقین کے بغیر چارہ نہ رہا۔ احقر فوراً ہی جنازہ میں شرکت کے لیے روانہ ہوا ، عزیزان عبدالناصر وعبدالملک سلمہما ہمراہ تھے ، راستہ میں ملوآنہ موڑ سے مولانا محمد ظفراللہ صاحب کو لیا عزیز قاری عباس سلمہ گاڑی چلا رہے تھے ، طویل سفر طے کر کے مغرب چانڈیاں میں پڑھی ، مولانا مرحوم کے برادران حضرت مولانا صدیق صاحب ، مولانا محمد مرتضیٰ صاحب ، مولانا محمد رمضان صاحب اور دیگر عزیزان واقارب سے ملے سب کو سوگوار پایا اس جوان اور ناگاہ مرگ پر سب غم زدہ تھے لیکن صبر کے سوا چارہ نہ تھا احقر خود بھی اس قدر افسردہ تھا کہ بیان نہ کر سکا ، احقر کی نیابت میں مولانا محمد ظفراللہ صاحب نے بیان کیا۔

عشاء کی نماز کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ سابق مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ امدادالعلوم محمود کوٹ نے جنازہ پڑھایا۔ جنازہ سے قبل زیارت کی تو مرحوم کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور یوں لگ رہا تھا کہ وہ اس وقت تمام رنج والم سے گزر کر آسودہ حال اور محو استراحت ہیں ، اللہ کرے ایسا ہی ہو ، آمین۔ ساہیوال سے طلبہ وعلماء کے علاوہ بعض متعلقین نے بھی جنازہ میں شرکت کی ، اس کے بعد مرحوم کے ورثا سے مل کر ہم واپس ہوئے۔

مولانا امام الدین رحمہ اللہ تحصیل تونسہ شریف کی ایک غیر معروف بستی چانڈیوالی میں ۱۹۷۰ء بمطابق ۱۳۹۰ھ میں پیدا ہوئے والد مرحوم حافظ نور محمد صاحب مرحوم ایک

درویش صفت نیک آدمی تھے ،اللہ تعالی نے انہیں چار بیٹے عطا کئے سب قرآن کریم کے حافظ عالم بنے اور سب دینی خدمات میں مصروف ہیں ، مولانا امام الدین مرحوم کے دو بڑے بھائی اپنی بستی ''وہوا'' میں قرآن کریم کی خدمت میں مصروف ہیں ،مرحوم نے قرآن کریم قاری غلام رسول صاحب مدظلہ سے کوٹ ادو کے قریب بستی گٹ والی میں پڑھا اور پھر جلالین تک کی تعلیم جامعہ امدادالعلوم محمودکوٹ میں حاصل کی ، موقوف علیہ اور دورہ حدیث شریف جامعہ امدادیہ فیصل آباد میں کیا پھر تخصص فی الافتاء کے لیے جامعہ خیرالمدارس میں داخلہ لیا اور ایک سال تک حضرت مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ کی زیرنگرانی افتاء کی تربیت حاصل کی ۔

جامعہ حقانیہ کے درجہ کتب میں ایک استاذ کی ضرورت تھی ،جامعہ کے استاذ مولانا اللہ بخش صاحب نے مولانا امام الدین مرحوم کا نام پیش کیا،مرحوم کے بھائی مولانا محمد صدیق صاحب نے بھی تصدیق کی اور یوں ان کا تقرر فراغت کے فوراً بعد جامعہ حقانیہ میں ہوا ،مرحوم نے یہاں دورہ حدیث شریف تک تمام اسباق بڑی محنت اور دلچسپی سے پڑھائے ،اس کے ساتھ ساتھ مدرسہ کے شعبہ مالیات اور حسابات کی ذمہ داری بھی بڑے احسن انداز سے نبھائی ،چھ سال تک حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے سامنے جملہ حسابات جامعہ کی ذمہ داری حسن وخوبی انجام دی اور پھر تادم واپسیں مستقلاً اس عہدہ پر فائز رہے ،مرحوم ایک جید حافظ بھی تھے اس لیے شہر ساہیوال کی مرکزی جامع مسجد حقانیہ میں کئی مرتبہ قرآن کریم بھی سنایا چونکہ خط بہت عمدہ تھا اس لیے ''تکملہ احکام القرآن'' اور ''امدادالسائل'' کے ابتدائی رجسٹروں کی تبیض بھی کی ۔

بیس سال کے طویل عرصہ میں سینکڑوں طلبہ نے ان سے اکتساب فیض کیا ،جو ان کے لیے بہترین صدقہ جاریہ ہے ،موصوف ذاتی طور پر نیک سیرت اور عمدہ

طبیعت کے مالک تھے ، بڑے سے بڑے کام کو چاہے وہ جامعہ سے متعلق ہو یا گھر سے خندہ پیشانی سے للہ فی اللہ کرنے کو سعادت سمجھتے تھے ، بڑے سے بڑے کام کو دیکھ کر کبھی بھی پریشان نہیں ہوئے ، خوشی غمی میں برابر شریک اور خوش دلی سے ہر طرح کی خدمت ان کا شعار تھا ، اللہ تعالیٰ ان کی تمام خدمات قبول فرمائیں اور اپنی شایان شان ان کو بہترین جزا سے نوازیں اور مرحوم کے تمام پسماندگان کو صبر واجر سے نوازیں نیزان کے بیٹوں کو حق تعالیٰ درازی عمر کے ساتھ علم و عمل کی دولت اور دین حنیف کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں ، آمین۔

## ماموں جان سید شمشاد حسین صاحب مرحوم

شوال المکرم کی دوسری رات چار بجے برادر عزیز افتخار حسین سلمہ نے احقر کو فون پر بتایا کہ ماموں سید شمشاد حسین صاحب انتقال کر گئے ہیں۔ احقر نے ان سے ملاقات کے لیے اگلے روز جھنگ جانے کا پروگرام بنا لیا تھا، اس لیے اس خبر سے دل پر چوٹ لگی اور بے حد صدمہ ہوا ، برادرم راحیل سلمہ سے رابطہ کرنے پر اس حادثہ کی تصدیق ہوگئی اور اب اسے تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا ، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کے ساتھ ان کے لیے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب میں مشغول ہوگیا ، اور فجر کے بعد قبرستان حقانیہ میں حضرت قاری محمود صاحب مدظلہم کے ساتھ تدفین کی جگہ کی نشاندھی کی نو بجے میت جھنگ سے ساہیوال پہنچی مغرب تک احباب اور اعزہ واقارب ساہیوال پہنچ گئے ، چنانچہ مغرب کے بعد جامعہ حقانیہ میں احقر نے ان کا جنازہ پڑھایا اور پھر قبرستان حقانیہ میں ان کی تدفین ہوئی ، جنازہ میں جھنگ ، مخدوم پوپھوڑاں ، پنڈی اسلام آباد اور ملتان کے احباب بھی شریک ہوئے جبکہ عید کی تعطیلات کی وجہ سے بہت سے احباب کو انتقال کی اطلاع بھی تدفین کے بعد ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائیں

اور سب پسماندگان کو صبر واجر عطا فرمائیں ،آمین ۔

ماموں جان مرحوم قصبہ پھرل ضلع کرنال (ہندوستان میں) میں ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے تقسیم کے بعد آپ کے آباء واجداد پہلے کوٹلی وزیرآباد آکر ٹھہرے پھر ایک سال بعد وہاں سے احقر کے جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز پر ساہیوال آگئے ۔ ۱۹۴۹ء میں جب حضرت جدامجد کا انتقال ہوا (جو رشتہ میں ان کے ماموں جان تھے) اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کے لگ بھگ تھی ۔

ناظرہ قرآن کریم انہوں نے مدرسہ قاسمیہ واقع جامع مسجد شہانی ساہیوال میں حضرت والدماجد قدس سرہ سے پڑھا، پھر سکول میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی ، شروع سے ہی انہیں حضرت والدصاحب قدس سرہ کی صحبت اور تربیت حاصل تھی اس لیے ابتداء سے ہی اکابر سے عشق ومحبت اور دینی علم سے لگاؤ پیدا ہوا ، اور یوں آپ ۱۹۶۰ء میں حضرت قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھیں ضلع چکوال پہنچ گئے ،وہاں آٹھ ماہ تک دینی تعلیم حاصل کی اور حضرت قاضی صاحب کی مجلس اور صحبت سے خوب مستفید ہوئے ،ارادہ دینی تعلیم پڑھنے کا مصمم تھا لیکن والدماجد کے اصرار پر واپس آنا پڑا ، اور پھر ایف ،اے بی اے ۔ اور ایم ،اے تک تعلیم حاصل کی ۔ ایک عرصہ بطور ٹیچر سکول میں مدرس رہے لیکن اس دوران مسلسل رابطہ اہل علم اور بزرگان دین سے قائم رہا خاص طور پر احقر کے والدماجد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بالالتزام حاضری اور ان کی مجلس وصحبت سے بھرپور استفادہ میں کوئی کمی نہیں آئی ،ان مجالس ومحافل نیز مختلف اکابر کی زیارت اور ان کے بیانات سے انہوں نے بہت کچھ حاصل کیا جس کا اندازہ ان کی آپ بیتی اور مستقل کتاب ''ارشادات وواقعات'' پڑھنے سے ہوسکتا ہے ۔

ماموں جان ۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۱ء تقریباً بیس سال سعودی عرب میں مقیم رہے لیکن خط کے ذریعہ انہوں نے اپنا رابطہ چھوٹوں اور بڑوں سے برابر قائم رکھا۔ سالانہ رخصت پر جب بھی وہ پاکستان آتے ،اکثر وقت ساہیوال میں ہوتے ہوئے جامعہ میں حضرت والد ماجد قدس سرہ کے پاس ہی گزارتے ،اللہ تعالی نے انہیں بڑا مضبوط حافظہ اور بلا کا ذہن عطا فرمایا تھا، اس لیے وہ جو بات یا واقعہ سنتے انہیں فوراً یاد ہو جاتا اور مشکل سے مشکل مضمون کو اپنی ذہانت کی بنیاد پر وہ بہت جلد سمجھ جاتے تھے ۔ اپنے پیرو مرشد حضرت قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ سے انہیں عشق کی حد تک تعلق تھا، سعودیہ سے واپس آکر جب انہیں وقت ملا اور انہوں نے حضرت کی کتابیں پڑھیں تو وہ حضرت سے اور بھی زیادہ متاثر ہوئے اپنے اکابر حضرت حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی ، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ،حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ،حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی ،حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری ،حضرت شاہ عبدالغنی پھول پوری ،حضرت مولانا خیر محمد جالندھری ،حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہم اللہ وغیرہم سے انہیں بے حد محبت وعقیدت تھی ۔

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ ان کے ماموں کے بیٹے ہونے کے ناطے رشتہ میں ان کے بھائی تھے لیکن وہ ان کا بے حد احترام فرماتے تھے ، ہمیشہ ان کو اپنے اکابر کی صف میں سمجھتے اور ان سے بے پناہ عقیدت و محبت کا معاملہ رکھتے انہیں چونکہ اپنے بچپن سے ان کی رفاقت و صحبتیں میسر آئیں ،تمام حالات سے واقفیت رہی اس لیے وہ ان سے بہت ہی متاثر تھے ،حضرت ان کی پسندیدہ شخصیات میں ایک اہم شخصیت تھی اس لیے وہ ساہیوال میں ہوتے ہوئے کبھی ان سے ملے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ بھی ان پر بے حد مہربان اور شفیق تھے ،بارہا انہیں بلاکر

واقعات اوراپنی تصانیف سناتے اورہرطرح کامشورہ فرماتے،اوران کی خوب دلداری، حوصلہ افزائی کرتے ان کے خداداد حافظہ ،اکابر سے تعلق ومحبت دین کی فہم وسمجھ پرمسرت اورخوشی کااظہار فرماتے۔

ماموں جان کوحق تعالیٰ نے علم وفضل کے ساتھ نہایت خلیق، رحیم وشفیق، ملنساراورمتواضع بنایاتھاوہ ہرایک کے ساتھ بڑی محبت اورخوش مزاجی سے پیش آتے ہرایک کے مزاج کے مطابق اس سے سلوک کرتے ،مرنجامرنج اور شگفتہ تھے۔ احقر رشتہ میں ان کابھانجااور بھتیجاتھا، وہ احقرسے ہراعتبارسے بڑے تھے لیکن اپنے حسن خلق اور طبعی افتاد کے پیش نظر چونکہ ہرایک سے حسن سلوک ان کاشیوہ تھااس لیے احقربھی ان کے الطاف وکرم کامورد بنارہتاتھابلکہ وہ اس ناچیز سے محض اپنے حسن ظن کی بناپرکچھ زیادہ ہی لطف وکرم کامعاملہ فرماتے تھے یوں بے تکلفی توسب سے ہی تھی لیکن احقرکے ساتھ یہ معاملہ بنسبت دیگرحضرات کے اضعافاًمضاعفۃً تھااس لیے احقربھی ان سے بلاتکلف ہرمعاملہ میں کھل کربات کرلیتاتھا، بعض اوقات تومیری طرف سے تجاوزعن الحدود کی وجہ سے گستاخی تک بھی نوبت پہنچنے لگتی لیکن انہوں نے ہمیشہ ہربات اورسلوک کوخندہ پیشانی سے برداشت کیااوردل میں کبھی بھی ادنیٰ میل بھی نہیں آنے دیابلکہ پہلے سے زیادہ حسن سلوک کامعاملہ رکھا۔ وہ شیخ سعدی کے اس شعر کے پورے مصداق تھے ؎

بدی رابدی سہل باشدجزا
اگرمردی احسن الی من اساء

حضرت والدصاحب رحمہ اللہ کے بعد وہ اپنے ہرمعاملہ میں احقرسے مشورہ فرماتے اوراحقرکی رائے کوبڑی اہمیت دیتے ، یہ ان کی خوردنوازی تھی ورنہ آج توکوئی

شخص اپنے بڑوں کی بات ماننا تو دور کی بات ہے مشورہ کے لیے بھی آسانی سے تیار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماویں اور ہم سب کی زلات اور کوتاہیوں کو معاف فرمائیں۔ ماموں جان کی شفقتیں بندہ پر ہمیشہ رہیں انہوں نے ہر موقع پر احقر کو یاد رکھا اور میری دلداری کی معمولی باتوں پر حوصلہ افزائی اور قدردانی کا مظاہرہ فرمایا۔ احقر تراویح میں قرآن کریم سناتا تو باوجودیکہ محلہ کی مسجد قریب تھی لیکن وہ تراویح پڑھنے کے لیے جامع مسجد حقانیہ پہنچتے اور روزانہ حوصلہ بڑھاتے احقر نے ابتدا میں جب تقاریر کا سلسلہ شروع کیا تو بے حد خوشی کا اظہار فرمایا اور خوب حوصلہ افزائی کی۔

سعودیہ عرب جانے سے قبل احقر کو ملنے کے لیے جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لائے اور سعودیہ جانے کا پروگرام بتایا، وہاں سے واپسی پر احقر کے لیے خصوصی طور پر ایک چوغہ لے کر آئے اور فرمایا کہ جب سے عبدالقدوس نے دورہ حدیث کیا ہے میں نے اسی وقت سے اس کے لیے یہ چوغہ لے لیا تھا اور مدینہ منورہ سے لے کر اسے میں نے مسجد نبوی میں آپ ﷺ کے منبر مبارک پر کچھ دیر اس لئے رکھا تاکہ یہاں کی برکات بھی اس میں شامل ہو جائیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے احقر کو یہ چوغہ پہنا دیا جو احقر کے لیے یقیناً بہت بڑی سعادت تھی۔

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے بعد اصلاحی تعلق اور بیعت کے لیے احقر سے مشورہ لیا احقر نے حضرت اقدس جناب نواب عشرت علی قیصر رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کے لیے عرض کیا چنانچہ ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ماموں جان ان سے بہت متاثر ہوئے اور بیعت کے لیے سفارش کا کہا، احقر کے عرض کرنے پر حضرت نے انہیں بیعت فرمالیا، ماموں جان نے ان سے خوب استفادہ کیا اور خط وکتابت بھی کی حضرت نواب صاحب رحمہ اللہ کی شفقتیں وعنایتیں ان پر خوب مبذول

رہیں، یہ واقعات انہوں نے اپنی کتاب واقعات وارشادات میں بھی تحریر کردیے ہیں۔

حضرت والدصاحب رحمہ اللہ کی وفات کے چنددن بعدجب وہ سعودیہ سے پاکستان منتقل ہوئے تو انہیں اس کاازحد قلق تھاکہ بھائی جان دنیاسے رحلت فرماگئے اورمیں اب ان کی صحبت سے محروم ہوگیاہوں، تاہم انہوں نے احقرناکارہ سے پہلے سے بھی زیادہ تعلق رکھااور ساہیوال کے قیام میں ہمیشہ برابرجامعہ تشریف لاتے بلکہ خوب وقت دیتے ان سے مل کربے حدخوشی ہوتی اور مجلس کئی کئی دن تک خوب گرم رہتی احقرکے لیے بھی چونکہ ان کادم غنیمت تھااس لیے احقرکوان کی آمد کاانتظارلگارہتااور جب وہ تشریف لے آتے تو بہت خوشی محسوس کرتا۔

جامعہ کے سالانہ یاماہانہ سہ ماہی ، شش ماہی پروگرام یاجمعۃالمبارک کے اجتماع اور مجلس صیانۃ المسلمین کے حوالہ سے بیان ہوتاتوماموں جان اس میں ضرور شرکت فرماتےگویاکوئی پروگرام ان کے بغیرنہ ہوتاتھا۔

احقرکے اسفار کاسلسلہ اکثرجاری رہتاہے ،جھنگ کی طرف اگرکوئی سفرہوتاتو ماموں جان خوداس میں شرکت فرماتے اورروڈوسلطان کے سفرمیں احقرکے ساتھ شریک سفرہوتے بیانات بڑی توجہ سے سن کردادو دیتے ،بعض اوقات بڑے لطیف اندازمیں اصلاح بھی فرماتے۔

ان کی صحت آخرتک اچھی رہی لیکن کچھ عرصہ سے انہیں شوگرکاعارضہ ہوگیا تھا،اگرچہ ظاہری طورپرصحت کافی بہترنظرآتی تھی لیکن یہ موذی مرض انہیں اندرسے دیمک کی طرح چاٹ رہاتھا،اس کاعلاج بھی چلتارہالیکن وہ شایدزیادہ پرہیزکے قائل نہ تھےاس لیے افاقہ نہ ہوا،ان کے بڑے بیٹے برادرم سہیل سلمہ فرانس جانے لگے توانہیں ساتھ لے جانے کاپروگرام بنالیاوہاں جانے سے قبل وہ احقرکو ملنے تشریف

لائے ، احقران دنوں سرگودھا تھا مدرسہ مدینۃ العلوم میں برادر عزیز راحیل سلمہ کے ہمراہ تشریف لائے ، کافی دیر تک گفتگو کا سلسلہ رہا احقر کا اصرار تھا کہ آپ اگر فرانس جارہے ہیں تو وہاں قیام نہ کریں جلد واپس آجائیں ، اس وقت وہ خوب ہشاش بشاش تھے ، بڑی دیر تک پرلطف مجلس کا ماحول رہا لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ اس دنیا میں ان سے یہ آخری ملاقات ہے ، بہرحال سلام و کلام کے بعد وہ رخصت ہوئے ، اور وہاں پہنچ کر انہوں نے خیریت کی اطلاع دی۔ کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں ، احقر سے دو مرتبہ فون پر رابطہ ہوا ، آخری مرتبہ رابطہ پر احقر نے واپسی کا اصرار کیا لیکن اس وقت وہ اس کے لیے آمادہ نہ تھے ، کچھ عرصہ بعد مزید تشویش کی اطلاعات آتی رہیں جس سے دل کو دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں فرانس ہی میں آخری وقت نہ آجائے چچاجان جناب سید عبدالعلیم صاحب مدظلہ نے بڑے اصرار سے فون پر واپسی کا فرمایا اور دیگر احباب نے بھی شدید اصرار کیا ، بالآخر رمضان المبارک کی چار تاریخ کو بخیریت پاکستان ان کی واپسی ہوئی ہم سب نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ فون پر بھائی راحیل سے خیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا ، خیال تھا کہ رمضان المبارک کے بعد ملاقات ہوگی انہیں بھی احقر کی ملاقات کا انتظار تھا لیکن

؎ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

اس لیے پاکستان میں آنے کے بعد احقر کی ان سے نہ بات ہو سکی اور نہ ہی ملاقات۔ وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔ افسوس کہ یہ حسرت تادم آخر احقر کے دل میں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے درجات بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر و اجر کے ساتھ حسنات اور نیکیوں میں ان کے نقش قدم پر چلائیں ، آمین۔

۳۳/۱۰/۳۲ھ

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ

# درس حدیث

عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایؤمن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لماجئت بہ۔(رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔قال فی المشکوٰۃ قال النووی فی اربعینہ ھٰذاحدیث صحیح رویناہ فی کتاب الحجۃ باسناد صحیح)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایاکہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتاجب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہوجائے۔ (شرح السنۃ)

مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہوسکتاہے اورایمانی برکات تب ہی نصیب ہوسکتی ہیں کہ آدمی کے نفسی میلانات اوراس کے جی کی چاہتیں کلی طور پرہدایات نبوی کے تابع اور ماتحت ہوجائیں۔

''ھویٰ ''(یعنی خواہشات نفس)اور''ھدیٰ ''(یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات )یہی دوچیزیں ہیں جن پرخیروشرکے سارے سلسلہ کے بنیاد ہے اورجن سے انسانوں کی سعادت یاشقاوت وابستہ ہے ،ہرگمراہی اوربدعملی اتباع ھویٰ کانتیجہ ہے جس طرح کہ ہرخیراورہرنیکی اتباع ھدیٰ سے پیداہوتی ہے ،لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہوسکتاہے کہ ھویٰ کو(یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو)ھدیٰ کے یعنی اللہ تعالی کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت وتعلیم کے تابع کردیاجائے اورجس نے ھدیٰ کوچھوڑ کر ھویٰ کی غلامی اختیارکی ،اوربجائے ربانی ہدایت کے وہ نفسانی

خواہشات کے تابع ہوگیا، تو گویا خود ہی اس نے مقصد ایمان کو پامال کردیا۔ قرآن کریم میں ایسوں ہی کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے خواہشات نفس کو اپنا خدا بنالیا ہے۔

أرئيت من اتخذ الٰهه هواه (فرقان ع ۴) کیا تم نے بدبختوں کو دیکھا، جنہوں نے اپنے نفس کی خواہشوں کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

ومن اضل ممن اتبع هواه بغير هدى من الله ان الله لايهدى القوم الظالمين (قصص ع ۴) جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنے جی کی چاہت پر چلے اس سے زیادہ گمراہ اور غلط کون ہوسکتا ہے، اللہ ظالم لوگوں کو اپنی راہ نہیں لگاتا۔

عن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لايؤمن احدكم حتىٰ يحب لاخيه مايحب لنفسه۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان کے اصل مقام تک پہنچنے کے لیے اور اس کی خاص برکتیں حاصل کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی خود غرضی سے پاک ہو اور اس کے دل میں اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے اتنی خیر خواہی ہو کہ جو نعمت اور بھلائی اور جو بہتری وہ اپنے لیے چاہے وہی دوسرے بھائیوں کے لیے بھی چاہے، اور جو بات اور جو حال وہ اپنے لیے پسند نہ کرے، اس کو کسی کے لیے بھی پسند نہ کرے، اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

(معارف الحدیث ج ۱ ص ۱۳۹)

مرسلہ : محمد صدیق عفا اللہ عنہ

# ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

بقلم : حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی صاحب رحمہ اللہ

فرمایا کہ درود کا مخفف ( صلعم ) جو لوگ لکھتے ہیں یہ مناسب نہیں گویا یہ درود سے ناگواری اور تنگی کی دلیل ہے، اور اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک لکھے اور نہ زبان سے درود پڑھے اور نہ پورا درود کا صیغہ لکھے تو صرف صلعم لکھنا بالکل ناکافی ہے بلکہ پورا درود لکھنا یا زبان سے کہنا واجب ہے ۔ پھر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخفف ( ؓ ) جو لوگ لکھتے ہیں اس کے متعلق فرمایا کہ مراتب کے تفاوت سے شاید کچھ تفاوت ہو جاوے مگر نفس حکم تو مشترک ہے۔ ایک مولوی صاحب نے حکایت سنائی کہ جس شخص نے اول اول صلعم لکھا تھا تو اس نے شب کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ جیسے تو نے میرے درود کو قطع کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ کو قطع کرے ، چنانچہ صبح ہی کو واقعہ ایسا پیش آیا کہ اس کا ہاتھ قطع کر دیا گیا۔

حضرت نے فرمایا کہ جیسا کہ لوگوں نے حضور کے درود میں اختصار کر لیا ہے اگر ایسا ہی اختصار کا برتاؤ حضور بھی ہمارے ساتھ کرنے لگیں گے تو پھر بھلا ہمارا کہاں ٹھکانا رہے ، میرے نزدیک درود میں ایسا اختصار کرنا مناسب نہیں اور میں اسی کو ترجیح دیتا ہوں کہ صلعم لکھنا کافی نہیں اس وقت متعدد مشاہیر حضرات اہل علم تشریف رکھتے تھے اور اس مسئلہ میں اظہار رائے فرما رہے تھے ، اس وقت فرمایا کہ یہ موقع ادب کا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق ہم پر بے حد ہیں اس میں زیادہ کاوش کو مناسب نہیں سمجھتا پھر فرمایا میں نے اس کاوش کے متعلق ایک عجیب قصہ سنا ہے ایک صاحب حاجت

سید کسی عالم کے یہاں گئے اور ان سے اپنی حاجت کا اظہار کیا اور امداد چاہی اور ظاہر کیا کہ میں سید ہوں انہوں نے کہا کیا دلیل ہے کہ تم سید ہو انہوں نے کہا کہ دلیل تو کچھ نہیں میں آپ ہی کہہ رہا ہوں انہوں نے کوئی امداد نہیں کی۔ رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور ان کو شدت کی پیاس لگی ہے اور کہیں پانی نہیں تو انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف فرماہیں اور حوض کوثر پر امت کو پانی پلارہے ہیں تو یہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یارسول اللہ میں بھی پانی پینا چاہتا ہوں، فرمایا تم کون ہو؟ عرض کیا آپ کا امتی ہوں۔ فرمایا کیا دلیل ہے اس کی کہ تم ہمارے امتی ہو؟ عرض کیا یارسول اللہ دلیل تو کچھ بھی نہیں بس میں خود عرض کر رہا ہوں۔ فرمایا خود تمہارا قول کیسے حجت ہو سکتا ہے، جبکہ ہماری اولاد کا خود قول حجت نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض جگہ موئے مبارک کے نام سے پایا جاتا ہے اسکے متعلق زیادہ کاوش نہیں چاہیئے اس سے کوئی حکم شرعی تو متعلق ہے نہیں محض زیارت سے برکت حاصل کرنا ہے سو اسکے لیے دلیل ضعیف بھی کافی ہے۔

فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ بہت بڑے ادیب تھے فرماتے تھے کہ عبارت میں قافیہ وغیرہ بالقصد نہیں لانے چاہئیں اس سے معنیٰ تابع الفاظ کے ہوجاتے ہیں حالانکہ الفاظ کو معانی کے تابع رکھنا چاہیئے اگر بلا قصد کوئی قافیہ آجائے دوسری بات ہے تکلف نہ کرے۔

فرمایا محبت عقلی یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت کو شریعت پر عمل کرنے کی طرف متوجہ کرے اور یہ اختیاری ہے اسی طرح خشیت عقلی یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت کو متوجہ کرے امور منکرہ سے رکنے کی طرف پھر ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ حب عقلی اور دوام اتباع میں گویا ترادف ہے۔

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد سلیم حفظہ اللہ تعالیٰ مکہ معظمہ

# حج کے پانچ دن

سب سے اہم اور ضروری امر دلجمعی واطمینان اوردلی یکسوئی کے ساتھ تمام مقامات متبرکہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے زبان اور قلب کو درود شریف اور استغفار وتلبیہ (لبیک کہنا) اور تلاوت قرآن سے مشغول رکھنا چاہئے، خاص طور پر مواقع قبولیت دعا میں ماثور دعاؤں کا ورد رکھنا بہتر ہے فضول باتوں اور کسی کی ایذارسانی یا تکلیف دہی سے بچنا چاہیے۔

ذی الحجہ کی ۷ تاریخ یا ۸ تاریخ کی شب میں احرام باندھ لیں، احرام کیلئے غسل کر کے خوشبو لگا کر مسجد حرام میں آئیں اور طواف کریں ''واجب طواف'' پڑھنے کے بعد دو رکعت نفل احرام کی نیت سے پڑھیں، احرام کی نیت یہ ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ۔

اگر سعی پہلے کرنا چاہیں تو احرام کے بعد دوبارہ رمل (رمل کا طریقہ یہ ہے کہ چلنے میں جھپٹ کر جلدی اور زور سے قدم اٹھائیں، قدم قریب قریب رکھیں اور مونڈھوں کو ہلاتے جائیں) اور اضطباع (اضطباع کا طریقہ یہ ہے کہ چادر کو داہنے مونڈھے کے نیچے سے نکال کر دونوں کونوں کو بائیں مونڈھے پر ڈالیں) کے ساتھ طواف کریں مگر ''طواف زیارت'' کے بعد سعی کرنا افضل ہے۔

## پہلا دن

ذی الحجہ کی ۸ تاریخ کو یوم ترویہ (تیاری کا دن) طلوع آفتاب کے بعد مکہ مکرمہ سے منیٰ روانہ ہو جائیں اور منیٰ میں پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر پڑھیں۔

## دوسرا دن

۹ذی الحجہ کی صبح کو بعد نماز فجر طلوع آفتاب کا انتظار کریں جب کچھ دھوپ نکل آئے تو سکون اور اطمینان کے ساتھ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ کہتے ہوئے عرفات روانہ ہوجائیں درود شریف، ذکرالٰہی اور تلبیہ کی کثرت رکھیں، اگر طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ سے روانگی ہوگئی تو جائز ہے مگر خلاف سنت ہے۔ عرفات میں جس جگہ چاہیں قیام کریں۔ زوال کے بعد وقوف عرفات یعنی حج کا وقت شروع ہوجاتا ہے اس وقت عرفات ہی میں رہنا ضروری ہے، زوال سے پہلے غسل کرنا افضل ہے ورنہ صرف وضو کرلیں، کسی وجہ سے اگر مسجد نمرہ جاسکیں تو اپنی جائے قیام پر ظہراور عصر اپنے وقت پر جماعت سے پڑھیں اور جمع نہ کریں، اس صورت میں عصر کی نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا جائز نہیں۔

عرفات کا مبارک وقت اور مبارک دن باربار نصیب نہیں ہوتا، اسی محدود وقت کا نام ''حج'' ہے، تجلیات و برکات کے اس پرنور دن کو غفلت ولاپرواہی سے نہ گذارنا چاہیے، دل ودماغ میں اللہ تبارک وتعالی کی شان عظمت وکبریائی کا تصور قائم کرکے تلاوت قرآن، کثرت درود وتلبیہ اور ذکروفکر میں اپنا عزیز وقت صرف کریں، اپنے اقارب واعزہ، احباب ومتعلقین اور تمام مسلمانوں کیلئے بھی دعا کریں، قبولیت دعا کا یہ عجیب وقت ہوتا ہے، میدان عرفات میں اس دن جو دعا مانگی جائے گی وہ ان شاء اللہ تعالی قبول ہوگی۔

۹ذی الحجہ کو وقوف عرفات فرض ہے، نویں تاریخ کو زوال کے بعد سے ۱۰ تاریخ کی فجر تک وقوف عرفات کا وقت ہے اس مدت میں تھوڑی دیر کیلئے بھی اگر کوئی عرفات میں پہنچ جائے تو وقوف صحیح ہوجائے گا ورنہ حج نہ ہوگا۔ میدان عرفات

کے علاوہ کسی دوسری جگہ ٹھہرنے سے حج ادا نہ ہوگا، زوال کے بعد میدان عرفات میں مغرب تک وقوف واجب ہے۔

غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ روانہ ہوں، غروب آفتاب سے پہلے روانگی میں دم دیناواجب ہوگا، مگر مغرب کی نماز عرفات میں نہ پڑھیں بلکہ مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء دونوں ایک اذان واقامت کے ساتھ پڑھیں اور دونوں نمازوں کے درمیان سنت اور نفل نہ پڑھیں بلکہ مغرب وعشاء کی سنت اور وتر عشاء کی نماز کے بعد حسب ترتیب پڑھیں اس کیلئے امام اور جماعت کی شرط نہیں، مزدلفہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز مغرب وعشاء ملاکر یاعلیحدہ علیحدہ پڑھ لی تو مزدلفہ پہنچ کر دوبارہ پڑھنی ہوگی، اگر راستہ میں اتنی دیر ہو جائے کہ طلوع فجر کا اندیشہ ہوتو مغرب وعشاء راستہ میں پڑھ سکتے ہیں، اگر مغرب کے وقت مزدلفہ پہنچ جائیں تب بھی نماز مغرب عشاء کے وقت سے پہلے نہ پڑھیں۔ مزدلفہ کی رات برکات وانوار کی رات ہے جس قدر بھی ممکن ہو غنیمت سمجھ کر عبادت وذکرالٰہی میں مصروف رہیں، بعض علماء کے نزدیک یہ رات شب قدر سے افضل ہے اس رات کا مزدلفہ میں گذارنا سنت مؤکدہ ہے، طلوع فجر کے وقت سے وقوف مزدلفہ کاوقت ہے اس کیلئے غسل کرنا مستحب ہے، طلوع آفتاب تک یہاں دعااور ذکرالٰہی میں مشغول رہنا مسنون ہے، وقوف مزدلفہ واجب ہے خواہ تھوڑی سی دیر کیلئے کیوں نہ ہو۔

بلاعذر طلوع فجر سے پہلے روانگی یاطلوع آفتاب کے بعد مزدلفہ پہنچنے میں دم دینا واجب ہوگا، مزدلفہ میں ہرجگہ ٹھہرسکتے ہیں مگر مشعرحرام کے قریب ٹھہرناافضل ہے، طلوع آفتاب سے کچھ پہلے سکون کے ساتھ منیٰ کی طرف روانہ ہوں، منیٰ میں رمی جمار (کنکری مارنا) کیلئے مزدلفہ سے پہلے دن کی سات کنکریاں لے لینامستحب ہے، باقی

دنوں کی رمی کے واسطے تریسٹھ کنکریاں جہاں سے چاہیں اٹھائیں، کنکری کی مقدار بڑے چنے کی برابر ہو، جمرہ (شیطان) کے پاس سے کنکریاں نہ اٹھائیں۔

## تیسرا دن

۱۰ تاریخ کو منیٰ میں پہنچ کر صرف جمرہ عقبہ کی رمی کریں، رمی (کنکری مارنا) کا طریقہ یہ ہے کہ جمرہ کے سامنے کھڑے ہو کر داہنے ہاتھ سے پے درپے سات کنکریاں ماریں اور ہر دفعہ یہ دعا پڑھیں بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرْ رَجْماً لِلشَّیْطَانِ وَرِضاً لِلرَّحْمٰنِ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجّاً مَبْرُوْراً وَّسَعْیاً مَشْکُوْراً وَّذَنْباً مَغْفُوْراً۔

اس رمی کے بعد لبیک نہ پڑھیں، جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر سب سے پہلے قربانی کر کے سر منڈوا کر یا بال کتروا کر احرام کھول ڈالیں، قربانی کرنا متمتع اور قارن پر واجب ہے، مفرد پر مستحب ہے، سر منڈانا افضل ہے، قربانی اور سر منڈانے کے بعد ظہر سے پہلے مکہ مکرمہ آکر طواف زیارت کریں یہ حج کا آخری رکن ہے اگر پہلے سعی نہ کی ہو تو سعی بھی کر لیں اور منیٰ واپس ہو جائیں، منیٰ میں رات گذارنا ضروری ہے، ۱۰ تاریخ کو طواف زیارت کرنا افضل ہے اگر نہ ہو سکے تو ۱۱ یا ۱۲ تاریخ کو طواف زیارت کر لیں۔

۱۲ تاریخ کو غروب آفتاب سے قبل طواف زیارت کرنا ضروری ہے ''ایام نحر'' (قربانی کے تین دن) میں اگر طواف زیارت نہ کیا تو دم دینا ہوگا، پہلے دن ''جمرہ عقبہ'' کی رمی کا وقت فجر سے اگلے دن فجر تک ہے، مگر مسنون اور افضل یہی ہے کہ رمی جمار (شیطان کو کنکری مارنا) طلوع آفتاب کے بعد اور زوال سے پہلے ہو، کمزور و ناتواں اور پردہ نشین مستورات کیلئے تاخیر رمی میں کوئی حرج نہیں ورنہ بلا عذر رات کو ''رمی جمار'' (کنکریاں مارنا) مکروہ ہے۔

## چوتھا اور پانچواں دن

۱۱/اور ۱۲ تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کریں جس کا وقت زوال کے بعد سے اگلے دن طلوع فجر تک ہے، زوال سے قبل رمی جمرات جائز نہیں، پہلے ''جمرہ اولیٰ''جو(عام اصطلاح میں چھوٹا شیطان) کی پھر''جمرہ وسطی'' (درمیانی شیطان) پھر''جمرہ عقبہ'' (بڑا شیطان) کی رمی کریں اور ہر کنکری کے ساتھ بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہیں۔۱۲ تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے بلا کراہت منیٰ سے مکہ معظمہ آسکتے ہیں، غروب آفتاب کے بعد آنا مکروہ ہے، اگر ۱۳ تاریخ کی صبح کو آپ منیٰ میں ہوں تو پھر بغیر رمی کے آنا جائز نہیں۔

اب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے مکہ معظمہ آجائیے، خدا کے دربار میں حاضری کی عظیم الشان سعادت آپ کو حاصل ہوئی، ساری عمر کی یہ دیرینہ تمنا اس کے فضل وکرم سے بخیروخوبی پوری ہوئی۔

## مقامات اجابت دعا

میدان عرفات، شب مزدلفہ، مزدلفہ میں وقت فجر کے بعد، رمی جمار کے بعد، جب کعبہ نظر آئے، صفا، مروہ، مسعی، مطاف، مقام ابراہیم، ملتزم، حطیم اور خاص طور پر ''میزاب رحمت'' کے نیچے، ہر بار زمزم پی کر، بیت اللہ کے اندر، حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان اور طواف وداع کے بعد۔ ان خاص مقامات میں عاجزی وانکساری کے ساتھ دعا اور ذکر الٰہی میں مصروف رہنا چاہیے، ان مواقع میں وہ خاص دعائیں جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہیں اگر یاد نہ ہوں تو دعا واستغفار، درود اور کلمہ طیبہ زیادہ سے زیادہ پڑھیے اور مجھے بھی دعاؤں میں نہ بھولیں۔

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

# حج اور عمرہ کا مختصر طریقہ

بعد الحمد والصلوٰۃ: گذارش آنکہ ہندوپاک سے حج کرنے والے حضرات چونکہ پہلے عمرہ اور پھر حج ادا کرتے ہیں جس کو حج تمتع کہا جاتا ہے اس لئے ذیل میں اس کا مختصر طریقہ لکھا جاتا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسان اور قبول فرمائیں، آمین۔

(۱) پاکستان سے عمرہ کا احرام باندھ کر نیت کریں اَللّٰھُمَّ اِنِّیۤ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ۔

(۲) مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کریں طواف کے سات چکر اضطباع کے ساتھ جس میں پہلے تین چکروں میں رمل کریں طواف مکمل کرکے دو نفل واجب الطواف ادا کریں۔

(۳) اس کے بعد صفامروہ کے درمیان سعی کے سات چکر لگائیں، سعی مکمل کرکے سر کے بال منڈائیں یا انگلی کے پورے کے برابر کٹوائیں، عمرہ مکمل ہوا احرام ختم ہوا۔ یاد رہے کہ احرام میں جو طواف کیا جائے اس میں حجر اسود کا بوسہ نہ لیں کیونکہ اس پر خوشبو ہوتی ہے اس سے دم لازم ہوگا۔

(۴) ۷/ ذوالحجہ کو گھر سے احرام باندھ کر معلم کے ہمراہ منیٰ جائیں، ۸/ کو منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ۹/ کی فجر کی نماز پڑھیں۔

(۵) ۹/ ذی الحجہ کو صبح عرفات جائیں وہاں ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کریں اور کھڑے ہو کر خوب دعائیں کریں، نمازوں کا طریقہ معلم الحجاج میں دیکھ لیں۔

(۶) غروب آفتاب کے بعد مغرب پڑھے بغیر عرفات سے نکل کر مزدلفہ جائیں اور وہاں عشاء کے وقت مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت سے

ادا کریں، رات بھر دعائیں کریں، ۷۰ کنکریاں جمع کریں۔

(۷) ۱۰ ر کو صبح فجر پڑھ کر تھوڑی دیر دعائیں کرکے منیٰ کو جائیں اور منیٰ میں صرف بڑے جمرہ کو ۷ کنکریاں ماریں، اس کے بعد قربانی کریں، پھر سر منڈا کر احرام اتار دیں، اس کے بعد حرم جاکر طواف زیارت کریں اور حج کی سعی کریں۔

(۸) اس کے بعد منیٰ واپس آجائیں اور ۱۱، ۱۲ کو زوال کے بعد تینوں جمروں کو ۷، ۷ کنکریاں ماریں، پہلے چھوٹے کو پھر درمیان والے کو پھر بڑے کو، کنکریاں خود ماریں کسی دوسرے کو نہ مارنے دیں ورنہ دم لازم آئے گا۔

(۹) ۱۲ ر کی رمی کرکے واپس مکہ مکرمہ آجائیں حج مکمل ہوگیا، اس کے بعد واپسی سے قبل طواف وداع ضرور کریں۔

(۱۰) معلم کے پروگرام کے مطابق مدینہ منورہ حاضری دیں اور اس کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوش نصیبی سمجھیں۔ آخر میں التجا ہے کہ اپنی دعاؤں میں اراکین وخدام جامعہ کو بھی یاد رکھیں۔

## تلبیہ

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔

نوٹ: حجاج کرام اس تلبیہ کو زبانی یاد فرمالیں کیونکہ حج کے ایام میں موقع بموقع اس کو پڑھا جاتا ہے۔

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

# ادراك الفضيلة في الدعاء بالوسيلة

# مسئلہ وسیلہ واستشفاع اور مسلک علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ

(قسط ۱)

## حرف اولین

''اسلامی فقہ'' کے زیر عنوان ''روزنامہ جنگ'' راولپنڈی ۵/ اور ۱۹/ مارچ ۱۹۸۰ء کے دو پرچوں میں مولانا حافظ ریاض احمد صاحب اشرفی خطیب بھوسہ منڈی راولپنڈی کا ایک صاحب کے سوال کے جواب میں تفصیلی مضمون نظر سے گزرا۔

فاضل مجیب نے بڑی شرح اور تفصیل کے ساتھ ''مسئلہ وسیلہ اور استشفاع'' کے جواز پر دلائل قائم کیے ہیں اور اس بارہ میں علماء دیوبند کے مسلک کو اچھی طرح واضح کیا ہے اس مضمون کی افادیت اور نافعیت کے پیش نظر اس کو مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا گیا اور بعض احباب کی خواہش ہوئی کہ اس مسئلہ کے بارہ میں مزید وضاحت کے لیے احقر بھی کچھ لکھے اس لیے بطور پیش لفظ کے چند باتیں معروض خدمت ہیں امید ہے کہ اس مسئلہ کے سمجھنے میں احقر کی یہ معروضات معین اور مفید ثابت ہوں گی، اور ''اکابر علماء دیوبند کا مسلک'' اس مسئلہ کے بارہ میں قرآن وحدیث اور فقہاء احناف کے اقوال کی روشنی میں واضح سے واضح تر ہو جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## جمہور اہل سنت کا مسلک

انبیاء علیہم السلام اسی طرح اولیاء رحمہم اللہ سے توسل کرنا اور ان کا دعاؤں میں وسیلہ پکڑنا، یا اپنی حاجت برآری کے لیے دعائی درخواست کرنا جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک نہ صرف یہ کہ جائز اور مستحسن بلکہ قبولیت دعا کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے مستحسن اور افضل ہے۔ اکابر دیوبند رحمہم اللہ کا ''مسلک ومشرب'' بھی جمہور اہل سنت کی موافقت میں یہی ہے۔ قرآن وسنت کے دلائل اور فقہاء احناف کے اقوال اس مسلک کی تائید کرتے ہیں لیکن قبل اس کے کہ اس مسلک جمہور پر دلائل پیش کیے جائیں مسئلہ توسل کی حقیقت کے سمجھ لینے اور وسیلہ کی مختلف صورتوں کے ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے۔

## توسل کی حقیقت

ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا ذریعہ بنے وہ انسان کیلیے اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا وسیلہ ہے، اس میں جس طرح ایمان اور عمل صالح داخل ہے اسی طرح انبیاء اور صالحین کی صحبت ومحبت بھی داخل ہے کہ وہ رضاالٰہی کے اسباب میں سے ہے اسی لیے ان کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا یا ان حضرات سے دعائی درخواست کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ توسل کرنا جائز ہے۔

## توسل کے اقسام

### متفق علیہ جواز کی صورتیں

توسل کی یہ صورت بالاتفاق جائز ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے دعائی جائے جیسا کہ قرآن کریم کی آیات: ربنا اٰمنا بما انزلت واتبعنا

الرسول فاکتبنامع الشاھدین۔ وغیرہ کے اشارہ سے ثابت ہورہا ہے، اور صحیحین کی وہ حدیث بھی اس توسل کی دلیل ہے جس میں تین آدمیوں کا ذکر ہے جو کسی پہاڑ کی غار میں پھنس گئے تھے اور انہوں نے اپنے عمل صالح کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی اور اس مصیبت سے رہائی حاصل کی اس وسیلہ کا ذکر مولانا غلام اللہ خان صاحب نے بھی ''جواہر القرآن'' میں کیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات حمیدہ اور اسماء مبارکہ کے وسیلہ سے دعا کرنا بھی سب کے نزدیک جائز ہے، مثلاً یوں کہا جائے: اللھم انی اسئلك بذاتك وبصفاتك وباسمائك وبعظمتك وبجلالك وبعزتك العظیم۔ خود حضور اکرم ﷺ نے بھی دعا میں یہ بات سکھلائی ہے کہ یوں دعا کیجئے: اللھم ارحمنی بالقرآن العظیم۔ اے اللہ! مجھ پر قرآن عظیم کی برکت سے رحم فرما۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ذات پاک کا واسطہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بذات پاک خود کاں اصل ہستیست ازو قائم بلندی ہاو پستی است

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اپنے شجرہ میں فرماتے ہیں:

پاک کن قلب مرا از خیال غیر خویش بہر ذات خود شفایم دہ امراض دلی

اور یہ صورت بھی بالاتفاق جائز ہے کہ کسی زندہ بزرگ سے دعا کرائی جائے، مولانا غلام اللہ صاحب نے بھی اس طرح کے وسیلہ کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ:

''اگر کسی زندہ بزرگ سے دعا کرائی جائے یہ بھی ایک قسم کا وسیلہ ہے اور جائز ہے''۔ (جواہر القرآن ص ۶۳۴ جلد دوم)

## اختلافی صورتیں

توسل کی بعض صورتوں میں اختلاف اور نزاع کیا جارہا ہے ان میں سے ایک

صورت یہ ہے کہ بزرگ اور فاضل شخصیت کے واسطے سے دعائی جائے اور یوں کہا جائے کہ اے اللہ فلاں کے طفیل میری دعا قبول فرما! اس کا نام توسل فی الدعاء ہے۔ یعنی دعا میں کسی بزرگ شخصیت کو وسیلہ بنانا اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص سے اپنی حاجت کے لیے دعائی درخواست کی جائے اس کا نام توسل بالدعاء ہے یعنی دعا کرانے میں کسی شخص کو وسیلہ بنانا، پھر یہ توسل صرف زندہ شخصیت کے ساتھ جائز ہے یا وفات کے بعد بھی کیا جاسکتا ہے انہی دو صورتوں کے جواز میں بحث ونزاع ہے اور اس وقت توسل کی انہی دو صورتوں کا اثبات مقصود ہے۔

حضرات اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کے نزدیک توسل کی یہ دونوں صورتیں یعنی کسی بزرگ شخصیت کے واسطہ سے دعا کرنا یا بزرگ شخصیت سے دعائی درخواست کرنا جائز ہیں، توسل کی پہلی صورت تو حیات اور وفات کی دونوں حالتوں میں علی الاطلاق جائز ہے البتہ دوسری صورت یعنی دعائی درخواست اس حالت میں جائز ہے جبکہ وہ شخص جس سے درخواست کی جائے وہ قریب ہو اور اگر وہ میت ہو تو یہ دعائی درخواست قبر کے پاس سے کی جارہی ہے لیکن یہ آخری شق سماع موتیٰ کے مسئلہ کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے اختلافی ہوگی، سماع کے قائل اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اس لیے قبور انبیاء علیہم السلام کے پاس درخواست دعا اور استشفاع کے جواز پر اتفاق اور اجماع ہے۔

## توسل فی الدعاء کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کے دربار میں ارباب فضل وکمال کو بطور وسیلہ پیش کرنے کا دراصل یہ مطلب ہوتا ہے کہ ان کے اعمال صالحہ اور کمالات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے،

کیونکہ کوئی شخص وسیلہ بننے کے قابل ہی تب ہوتا ہے جب کہ وہ اعمال صالحہ کرے تو گویا جب کوئی شخص یوں کہے کہ اے اللہ! میں فلاں صاحب کمال کو تیرے دربار میں وسیلہ پیش کرتا ہوں تو اس کا وسیلہ بلحاظ کمال کے ہوگا تو بزرگ شخصیت اور ارباب فضل وکمال سے وسیلہ پکڑنا درحقیقت ان کے اعمال سے ہی توسل کرنا ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

(الف) توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدہ محبت ہے : المرء مع من احب پس آپ سے اس رحمت کو مانگتا ہوں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۴۱)

(ب) اہل طریق میں مقبولان الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے ، حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی یہی حقیقت وغرض ہے۔ (التکشف ص ۴۴۶)

(ج) حاصل توسل فی الدعاء کا یہ ہے اے اللہ! فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت ہے اور مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی موجب رحمت ہے اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں پس ہم پر رحمت فرما۔ (نشر الطیب)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ قبر کے پاس سے توسل اور استمداد کے بارہ میں لکھتے ہیں :

''ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود را از جناب عزت الٰہی بتوسل روحانیت بندہ کہ مقرب ومکرم درگاہ والا است وگوید خداوندا بہ برکت ایں بندہ کہ تو رحمت واکرام کردہ او را برآوردہ گرداں حاجت میرا بند کند آں بندہ مقرب ومکرم را کہ اے بندہ خدا وولی وے شفاعت کن مرو بخواہ از خدائے تعالیٰ مطلوب مرا تا

قضاء کند حاجت مرا پس نیست بندہ درمیاں مگر وسیلہ وقادر و معطی و مسؤل پروردگار است تعالیٰ شانہ و درو ے ہیچ شائبہ شرک نیست چنانکہ منکر وہم کردہ وآں چناں است کہ توسل وطلب دعا از حالی و دوستاں خدا در حالت حیات کند وآں جائز است بالاتفاق پس آں چرا جائز نباشد و فرقے نیست در ارواح کاملاں در حین حیات و بعد از ممات مگر در ترقی کمال اھ''۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۸۸)

اور اس استعانت کی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ محتاج اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے مقرب ومکرم بندہ کی روحانیت کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا ہے کہ اے پروردگار کہ بندہ کی برکت سے کہ تونے اس پر اپنی رحمت کرکے اس کو نوازا ہے میری حاجت کو پورا کردے، یا یوں صدا بلند کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے ولی میرے حق میں سفارش کر اور اللہ تعالیٰ سے میرے مطلوب کے پورا کرنے کی التجا کرتا کہ وہ میری حاجت کو پورا کردے سو اس صورت میں بندہ درمیان میں صرف واسطہ ہے قادر دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور اس صورت میں شرک کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا جس طرح منکر کا وہم ہے اور یہ ایسے ہی جیسے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور نیک بندوں سے ان کی زندگی میں کوئی توسل کرے اور دعا کی درخواست کرے، اور یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، پس ایسا توسل بعد از وفات کیوں جائز نہ ہوگا؟ اور کامل لوگوں کی ارواح کا زندگی اور موت کے بعد کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ مرنے کے بعد کمال میں مزید ترقی ہوجاتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی اس تفصیلی عبارت سے واضح ہے کہ استمداد وتوسل کی مذکورہ دونوں صورتیں زندہ شخص کی طرح وفات یافتہ شخص کے ساتھ بھی جائز ہیں۔

# توسل فی الدعاء کا ثبوت

## قرآن مجید سے توسل کا ثبوت

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا (پ ۱ ع ۱۰) کے تحت علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں: نزلت فی بنی قریظة والنضیر کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل مبعثه قال له ابن عباس وقتادة۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۷، روح المعانی ص ۳۲۰ ج ۱)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل کتاب میں سے بنی قریظہ اور بنی نضیر اپنے فریق مقابل اوس اور خزرج پر فتح طلب کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کیا کرتے تھے اور یوں کہتے تھے: اللهم انا نسئلك بحق نبيك الذى وعدتنا ان تبعثه فى أخر الزمان ان تنصرنا اليوم على عدونا فينصرون۔

اے اللہ! ہم سوال کرتے ہیں اس آخر الزماں نبی کے طفیل جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے یہ کہ ہمارے دشمن پر آج ہمیں مدد عطا فرما، اور وہ مدد دیے جاتے (یعنی ان کی یہ دعا قبول ہو جاتی اور وہ غالب آجاتے)۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ اس آیت کے فوائد میں فرماتے ہیں:

قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے وہ خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزماں اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۷، فوائد قرآن ص ۱۷)

اسی طرح حضرت مولانا حسین علی صاحب کی تفسیر ''بلغۃ الحیران'' میں ہے :

''یعنی اے اہل کتاب پہلے تو تم کہتے تھے کہ رسول خاتم النبیین ﷺ جو کہ آنے والے ہیں ان کے ہمراہ ہو کر جنگ کریں گے، اس رسول کے وسیلہ سے فتح کی دعا مانگتے تھے جیسا کہ وقال تعالیٰ: وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا۔ وہ رسول آخر الزماں آگیا ہے''۔ (ص ۳۸۰)

## حدیث شریف سے توسل کا ثبوت

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :

ان رجلاً ضریر البصر اتیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادعو اللہ ان یعافنی قال ان شئت دعوت وان شئت صبرته فھو خیر لك قال فادعه قال فامرہ ان یتوضاٗ فیحسن وضوئه ویدعوا بھٰذا الدعاء اللھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی ھٰذی وتقضی لی اللھم فشفعه فی (ترمذی شریف ص۱۹۷ ج۲) واللفظ له وقال حسن صحیح غریب۔

ایک نابینا شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے صحت یاب کرے، آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں دعا کروں اور اگر تو چاہے تو صبر کر اور یہی تیرے لیے بہتر ہے اس نے کہا حضرت آپ دعا فرمائیں آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا پڑھے اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی حضرت محمد ﷺ جو نبی الرحمۃ ہیں کے وسیلہ سے توجہ کرتا ہوں، حضرت میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ پیش کرتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو جائے، اے اللہ! تو آپ کی شفاعت میرے بارہ میں

قبول فرما۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اس حدیث پر تحریر فرماتے ہیں اس سے توسل صراحتًا ثابت ہوا، اور چونکہ آپ کا اس کے لیے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں ،اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے اسی طرح توسل دعا میں کسی ذات کا بھی جائز ہے۔ (نشر الطیب ص ۳۵۳)

**ازالہ شبہ**

مولانا غلام اللہ خان صاحب خطیب راولپنڈی نے اپنی تفسیر ''جواہر القرآن'' میں وسیلہ کی احادیث پر جرح کر کے ان کو غیر مستند قرار دینے اور منکرین وسیلہ کی طرف سے حق وکالت ادا کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابو جعفر کے بارہ میں بھی ان کی یہی کوشش ہے کہ وہ کذاب وضاع ثابت ہوں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :

''ان حوالوں سے معلوم ہوگیا کہ ائمہ جرح وتعدیل نے ابو جعفر کو کذاب وضاع قرار دیا ہے ،لہٰذا حاکم کا اس حدیث کو صحیح کہنا غلط اور اس کے تساہل مشہور سے ناشی ہے''۔ (جواہر القرآن ج۲ص۶۳۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کی تصحیح میں حاکم متفرد نہیں ہیں بلکہ علامہ ذہبی اور علامہ طبرانی (معجم صغیر ص۱۰۴) اور امام ابوبکر احمد بن محمد المعروف با بن السنی الدینوری اپنی کتاب ''عمل الیوم واللیلۃ'' ص۲۰۲ نے بھی اس راوی کو ابو جعفر الخطمی قرار دے کر اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ،کیونکہ الخطمی راوی ثقہ ہے امام ابن معین، امام نسائی ،امام ابن حبان، طبرانی رحمہم اللہ وغیرہ نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۸ص۱۵۱)

علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **وهو الحديث مسند صحيح** ۔ یہ حدیث مسند صحیح ہے۔ (نسیم الریاض ج۳ص۱۱۴)

مگر مولانا موصوف نے اس کو غیر خطمی قرار دے کر اور پھر اس کو ائمہ جرح وتعدیل کے حوالوں سے مجروح گردان کر حدیث کو موضوع قرار دینے کی مقدور بھر کوشش کی ہے، اگر مولانا حدیث کی دوسری کتابوں کی طرف مراجعت نہیں کر سکتے تھے اور امام ترمذی کے من حدیث ابی جعفر وھو غیر الخطمی (ج۲ص۱۹۷) فرمانے سے انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ ابو جعفر غیر الخطمی ہے تو کم سے کم سامنے کی عبارت پر غور کر لیا ہوتا کہ امام ترمذی اس حدیث کو **حسن صحيح** فرما رہے ہیں تو کیا امام ترمذی کسی کذاب، وضاع کی راوی کی حدیث کو حسن صحیح کا درجہ دے رہے ہیں؟ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ راوی امام ترمذی کے نزدیک بھی اگرچہ غیر الخطمی ہو مگر وضاع وکذاب نہیں ہے۔ ترمذی شریف طبع مصر (ج۲ص ۲۷۷) میں غیر الخطمی کی جگہ وھو الخطمی کے لفظ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی سے غیر کا لفظ زیادہ لکھا گیا۔ (از تسکین الصدور ص۲۴۴) واللہ اعلم

تعجب کی بات یہ ہے کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب نے ایک طرف توسیلہ کی نفی کرتے ہوئے یہ تصریح کی ہے کہ ''توسل بالذات بھی ثابت نہیں'' (جواہر القرآن ج۲ص۶۳۵) اور احادیث وسیلہ کو مجروح قرار دینے پر اپنا سارا زور خرچ کر دیا لیکن ''توسل بالذات'' کو غیر ثابت قرار دینے کے باوجود ''جواہر القرآن'' ہی کے (ص۲۴۷) پر لکھ دیا ہے ''البتہ بحرمت فلاں دعا مانگنے میں کوئی کلام نہیں یہ سب کے نزدیک جائز ہے''۔

مولانا کے نزدیک جب توسل بالذات ثابت نہیں ہے اور جو حدیث اس کو

ثابت کررہی ہے وہ وضاع اور کذاب راوی کی ہے تو پھر بحرمت فلاں دعا مانگنے میں کوئی کلام کیوں نہیں؟ کیا اس میں توسل بالذات نہیں پایا جاتا؟ اور اگر توسل بالذات اور بحرمت فلاں دعا مانگنے میں کوئی فرق ہے تو اس کو واضح کرنا چاہئے تھا، اور یہ بھی بتلانا چاہئے تھا کہ بحرمت فلاں دعا مانگنے کا ان کے پاس کیا ثبوت ہے؟

اس حدیث کے راوی حضرت عثمان بن حنیف نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک دوسرے شخص کو بھی یہی دعا بتلائی تھی اور اس نے اسی طرح دعا کی تھی یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وفات کے بعد بھی وسیلہ بنانا جائز ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس سے توسل بعدالوفات بھی ثابت ہوا اور علاوہ ثبوت بالروایت کے درایۃً بھی ثابت ہے چونکہ روایت اول کے ذیل میں جو توسل کا حاصل بیان کیا گیا ہے (اور اس رسالہ میں (ج) کے تحت مذکور ہے) وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے۔ (نشرالطیب ص ۳۵۴)

بات بالکل واضح ہے کہ دعا مانگنے والا کسی مقبول ہستی کے ساتھ محبت واعتقاد کی برکت سے رحمت خداوندی کا طالب ہوتا ہے اور اس مقبول کی برکت سے اپنی حاجت برآری چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی شخص کی مقبولیت میں زندگی اور وفات دونوں حالتوں میں کچھ فرق نہیں ہوتا اسی لیے دونوں حالتوں میں توسل جائز ہوگا۔

(جاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

حافظ راؤ فرحان علی

# آواز نہ آئی

استاد جی! ایک بات کہوں اگر آپ ناراض نہ ہوں؟ جی جی ضرور استاد جی نے قلم ہاتھ میں تھامے اور نظریں کاغذ پر جمائے بے تکلفی سے جواب دیا۔ استاد جی اگر آپ فیصل آباد یا لاہور میں تدریس کی کوشش کریں تو وہ آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ آپ کی تدریس تو اتنی اچھی ہے کہ درس نظامی کی کوئی کتاب آپ کیلئے مسئلہ نہ ہوگی۔ استاد جی یہاں تو تنخواہ بھی بہت کم ہے جس میں آپ کا گزارہ ہی مشکل ہے چہ جائیکہ آپ کا گھر بھی چلے اور پھر یہاں تو کام بھی اتنا ہے کہ تھکنے میں ہی نہیں آتا آپ صرف پڑھاتے تو نہیں، قاری صاحب (اللہ انکی قبر کو نور سے بھر دے) کے لکھے ہوئے کو صاف بھی کرتے ہیں، مدرسے میں جو پیسہ ٹکا، اناج غلہ آئے اس کے آنے سے لیکر خرچ ہونے تک کی ذمہ داری بھی آپ کے سر ہے اور پھر وہ کیسے خرچ ہوا، اس حال احوال کو بھی رجسٹر پر درج کرتے ہیں، مدرسے کے تعمیراتی کام بھی آپ کی نگرانی میں ہوتے ہیں اگر یہ تمام کام کوئی اور شخص کرتا تو کم ازکم تین تنخواہیں ضرور لیتا۔ چلو کام کی تو کوئی بات نہیں لیکن معاوضہ تو ہونا استاد جی۔ لمبی چوڑی دلائل پر مبنی گفتگو سن کر استاد جی کو شدید غصہ آیا جس کا اثر چہرے کی سرخی نے بتایا، جذبات کے سمندر نے انگڑائی لی، تلاطم خیز موجوں نے کنارہ پار کرنا چاہا مگر آہنی پشتوں نے ایک چھینٹ تک باہر نہ آنے دی۔ استاد جی بڑے میٹھے انداز میں گویا ہوئے بیٹا! اللہ تعالی نے میرا انتظام جہاں کر رکھا ہے، بالکل ٹھیک ہے خدا کے شکر سے مجھے کسی چیز کی تنگی بھی نہیں اور رہی بات پیسے کی تو بیٹا پیسہ جتنا بھی آجائے کم ہے اور پھر یہاں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بزرگوں

(حضرت فقیہ العصرؒ) کی سرپرستی ہے جو دوسری جگہوں پر میسر نہیں۔

یہ جواب میرے نہایت شفیق استاد مولانا امام الدینؒ کا تھا جو بیک وقت مدرس بھی تھے اور مدرسے کے ناظم الامور بھی۔ مزید یہ کہ مدرسے کے حسابات سے متعلق تمام ذمہ داریاں بھی انہی کے سر تھیں۔

مدرس اس پائے کے تھے کہ درس نظامی کی مشکل سے مشکل کتاب کا چیلنج خندہ پیشانی سے سے قبول کرتے اور پھر پڑھانے میں بھی حق ادا کر دیتے، پہلے کتاب کی عبارت پڑھواتے، زیر زبر آگے پیچھے ہونے پر استاد محترم عینک کے اوپر والے حصے اور لبوں کی مسکراہٹ سے ایسے دیکھتے کہ فوراً غلطی اور جائے غلطی کا احساس ہو جاتا، شاگرد پلٹتا، غلطی سے الجھتا، اسے ٹھیک کرتا تو استاد جی کے چہرے پر مسکراہٹ آتی اور پھر خوشی سے چہرے کا حسن دوبالا ہو جاتا۔ عبارت کے بعد طلبہ سے پوچھتے ہاں جی کیا سمجھ آیا؟ سبق کا ایک حصہ تو ''کیا سمجھ آیا ہے'' ہی سے سمجھا دیتے اور بقیہ حصے کی تشریح اس طرح فرماتے کہ انطباق کی راہیں کھل جاتیں۔ سبق کا اختتام تو دور کی بات، درمیان سبق میں سوالات کے جوابات نہایت فرحت و اطمینان کے ساتھ دیتے اور طالب کی وہ حوصلہ افزائی فرماتے کہ وہ پھولا نہ سماتا۔ استاد محترم کا ایک وصف جو انہیں ممتاز کرتا تھا وہ یہ کہ طالب علم جس وقت کتاب کھولے ان کے پاس آتا، مایوس نہ جاتا۔ شام کے تکرار میں، جو انہوں نے ہی شروع کروایا، اس سے پہلے تکرار تو تھا لیکن التزام نہ تھا، جس مضمون میں طالب کو دشواری پیش آتی، خواہ وہ کسی کا ہی کیوں نہ ہو، بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ایسی وضاحت فرماتے کہ دل باغ باغ ہو جاتا، ڈھیروں دعائیں نکلتیں اور ''استاد کی عزت'' کا تاج محل دل میں پہلے سے زیادہ سفید ہو جاتا۔ ''درجہ اولیٰ'' کے سال مغرب کے بعد کا تکرار استاد محترم نے مدرسہ کی چھت پر شروع کروایا

جس چھت تلے استاد عبدالرؤف اور استاد عبدالمالک تدریس قرآن میں مصروف رہتے تھے۔ بجلی جانے پر ایک گیس لیمپ کا بندوبست کیا۔ اندھیرا ہونے پر جب اپنے دستِ مبارک سے اسے دیا سلائی دکھاتے تو علم کی شمعیں پھر سے روشن ہوجاتیں۔ اور نصر نصرا، فتح فتحا کے غلغلے بلند ہوجاتے۔

درجہ اولی میں علم الصرف اور تیسیر المنطق استاد محترم کے حصے میں آئی پھر اس کے بعد علم الصیغہ، ارشاد الصرف بھی استاد جی نے پڑھائیں۔ صرف میں اس قدر مشق کروائی کہ ۲۱۰۰ صیغے لکھوا ڈالے اور ارشاد الصرف کا ایک ایک قانون اجتماعی و احترازی مثالوں سے یوں تحریر کرایا جیسے ارشاد الصرف صرف کی نہیں بلکہ خالصتہ ملکی قانون کی کتاب ہو۔

نماز مغرب کے بعد مدرسے کے مرکزی دروازے کے بالمقابل صحن میں والی بال کھیلا جاتا تھا۔ کپڑوں والی لوہے کی تار نیٹ کا درجہ رکھتی تھی۔ طلباء جب کھیلنا شروع کرتے تو کچھ دیر بعد استاد جی آجاتے خود کم کھیلتے اور شاباش شاباش کی تھپکیوں سے ہمیں زیادہ کھیلاتے۔ اب استاد تو بہت ملیں گے مگر درس گاہ کے۔ کاش کوئی ایسا بھی ہوتا جو پڑھاتا بھی اور کھیلاتا بھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ''صرف'' میں باب تفعیل سمیت کئی ابواب کی گردانیں انہوں نے مجھے کھیلتے کھیلتے یاد کروائیں۔ میں پڑھتا رہتا وہ سنتے رہتے جہاں اٹکتا لقمہ دے دیتے یوں یوں گردانوں کی گردانیں یاد ہوتی چلی گئیں۔ جامعہ حقانیہ ہمیشہ ایسے استاد کو ترستا رہے گا جو کھیل میں بھی تدریس کا قائل تھا۔

استاد محترم جب تدریس میں مصروف ہوتے تو ہر درس سے پندرہ منٹ کے بعد کوئی بچہ آتا اور ان کے کان میں کچھ بات کہتا، استاد جی نہایت تحمل سے اسکی بات سنتے پھر کبھی دایاں ہاتھ اور کبھی بایاں، انکی جیب میں جاتا، کبھی پیسے نکلتے کبھی اشیاء

کے بل اور کبھی چابیوں کے بھاری بھرکم گچھے اور حسبِ سوال طالبعلم کا مداوا ہو جاتا لیکن انہیں کبھی غصہ نہ آتا کہ دوران تدریس مجھ سے یہ کام کیوں لیے جاتے ہیں ؟

استاد جی صرف مدرس ہی نہیں بلکہ مدرسے کے ناظم الامور بھی ہوتے تھے۔ طلباء کے کھانے پینے کا بندوبست ، مہمانوں کی آمد سے روانگی ، اشیاء کی خریداری سے لے کر ان کی مرمت اور حتیٰ کہ مدرسہ کے تعمیراتی کام ، الغرض تمام امور کی نگرانی خود فرماتے ۔ مدرسہ کی چیزیوں خریدتے جیسے اپنے گھر کی حاجت ہو ۔ جگہ جگہ سے بھاؤتاؤ معلوم کرنے کے بعد خریداری فرماتے ۔ '' مال سرکار دل بے رحم '' کو کرچی کرچی جس نے کیا وہ میرے استاد جی تھے ۔

مدرسہ کی گلی سے لے کر خونی دروازے تک کے راستے میں استاد محترم سے کتنے لوگوں کی کتنی ملاقاتیں ہوتیں ۔ اہل ساہیوال اور بالخصوص محلہ قلعہ کے باسی بخوبی جانتے ہوں گے اور یہ ملاقاتیں کیوں ہوئیں ؟ اس لیے کہ استاد محترم سائیکل ، موٹرسائیکل سے بے نیاز تھے ۔ وہ خونی دروازے تو کیا مسجد زینب کے کئی چکر پیدل لگایا کرتے تھے ۔ ساہی وال کی گلیوں اور سڑکوں کا چپہ چپہ انشاء اللہ روز قیامت میرے استاد جی کی گواہی دے گا ۔

دوران تدریس استاد محترم حضرت قاری صاحب ( نوراللہ مرقدہ ) کی تصنیفات ایک الگ رجسٹر پر تحریر کرتے جس کا طریقہ کار یہ تھا کہ طلبہ جیسے ہی سبق کے لیے آتے ، دس سے بارہ منٹ وہ پچھلے سبق کو دہراتے اس دوران استاد جی مخطوطات کو صاف کرتے رہتے پھر درس دیتے ۔ سبق کی فراغت کے بعد سے لے کر اگلی آنے والی کلاس تک درمیانی وقت میں پھر تحریر شروع ہو جاتی اور تدریسی اوقات کے علاوہ بھی یہ رجسٹر سائے کی طرح ساتھ ساتھ رہتا تھا ۔ مجھے رحیم و کریم اللہ سے بھرپور امید ہے

کہ فقیہ العصر رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا ایک ایک لفظ استاد محترم کی قبر کا قمقمہ ثابت ہو گا۔

جب ہم مدرسہ میں پڑھتے تھے تب آمدن و اخراجات کے رجسٹر پر خانے در خانے اور ان میں لکھی تفصیلات سے دل بوجھل ہونے لگتا تھا۔ کافی عرصے بعد جب استاد جی سے ملاقات ہوئی اور پھر انہیں اس رجسٹر کے ساتھ مصروف عمل پایا تو میرے سامنے جنرل سے لیجر، اس سے ٹرائل بیلنس اور بیلنس شیٹ کی گھتیاں سلجھتیں چلی گئیں، میں نے استاد جی سے حیرت زدہ ہو کر پوچھا استاد جی یہ تو ہم پڑھتے ہیں۔ شفیق استاد نے اپنی میٹھی زبان میں فرمایا ''تے اساں تو اکوں پڑھیندے آں'' چہرے پر مسکراہٹ تو آئی لیکن نظریں پھر بھی کام پر جمی رہیں کہ لمحہ ضائع نہ ہو جائے۔

استاد جی میں عاجزی و انکساری انتہاء کی تھی اور خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا میرے محسن و مربی مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ کو ایسا مدرس ڈھونڈنے میں بڑی دیر لگے گی جو درس حدیث و تفسیر بھی دے اور طلباء کی چارپایاں تک بنے۔ جو تھکاوٹ سے چور و چور ہو مگر جون و جولائی کی برستی آگ میں آرام کے وقت مہانوں کی خدمت بھی کرے۔ سلور کا جگ، لیموں کی تھیلی، کڑکتی دوپہر، مہانوں کی آمد اور میرے استاد کی ضیافت! ہائے اس جیسے ہزاروں منظر بھولتے نہیں۔

میں نے جب سے ساہیوال کو چھوڑا، ہر مسئلے میں استاد جی سے مدد لی۔ کسی کا فون نمبر بھی مانگا تو استاد جی سے۔ آج جب استاد جی اللہ کو پیارے ہوئے تو یہ اطلاع مجھے بلال نے دی۔ یقین نہ آیا۔ دوبارہ فون کیا تو وہ بولا فرحان یار میں تجھ سے مذاق کیوں کرتا۔ مجھے پتہ لگا کہ میرا ہم جماعت عابد جنازے پر جائے گا۔ میں نے رابطے کی کوشش کی۔ لیکن فہرست کو عابد سے خالی پایا، صدمے سے دوچار ذہن نے عابد کا نمبر لینے کیلئے پھر استاد جی کا نمبر ملا ڈالا۔ آج نمبر پر رنگ تو گئی لیکن آواز نہ آئی!

مولانا محمد آصف چنیوٹی

# اخبار الجامعہ

۱۶ : شعبان المعظم : حضرت صدر جامعہ مدظلہم نے بعد ظہر، مغرب، عشاء۔ پنڈی والا، چک نمبر ۱۳۳، چک نمبر ۱۲۷ میں اصلاحی بیانات فرمائے۔

۱۷ : حضرت مدظلہم نے بعد نماز ظہر صاحبہ بلوچاں میں حفظ قرآن کریم کے دو طلبہ کو آخری سبق پڑھا کر بیان فرمایا اور بعد عشاء جامعہ اسلامیہ نون کالونی سلانوالی کے سالانہ جلسہ میں شرکت فرمائی۔

۲۲ : حضرت مدظلہم نے جمعہ کے موقع پر جامع مسجد حقانیہ میں بیان فرمایا اور بعد عصر جامعہ ھٰذا میں اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔

۲۴ : حضرت مدظلہم نے مدرسہ امہات المؤمنین ہجن میں اختتام بخاری شریف کے موقع پر بیان فرمایا۔

۲۷ : جامعہ کے ناظم تعلیمات اور قدیم استاذ حضرت مولانا امام الدین صاحب اچانک دل کا دورہ پڑنے پر اپنے آبائی گاؤں بستی چانڈیاں والی میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، اللہ پاک ان کی کامل مغفرت فرمائیں اور کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائیں، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔ حضرت مدظلہم، اساتذہ کرام اور طلبا کی کثیر تعداد نے تونسہ شریف جاکر نماز جنازہ میں شرکت کی۔

۲۹ : حضرت مدظلہم نے جمعہ کے موقع پر بیان فرمایا اور بعد عصر جامعہ ھٰذا میں حضرت قاری محمود صاحب دامت برکاتہم مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان نے اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔

۳ رمضان المبارک: حضرت مدظلہم نے رمضان المبارک کے حوالہ سے اپنے گھر میں خواتین سے اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔

۴: حضرت مولانا مفتی محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ مہتمم مدرسہ امداد العلوم محمود کوٹ نشتر ہسپتال ملتان میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کریں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔ صدر جامعہ مدظلہم نے فون پر پسماندگان سے تعزیت کی۔

۷: حضرت مدظلہم نے جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ کے موقع پر بیان فرمایا اور بعد عصر جامعہ ھٰذا میں اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔ ۱۰: حضرت مدظلہم نے خواتین کے اجتماع سے اصلاحی بیان فرمایا۔ ۱۲: حضرت مدظلہم نے مدرسہ امدادیہ فتحیہ سلانوالی میں اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔

۱۴: حضرت مدظلہم نے جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ کے موقع پر خطاب فرمایا، بعد عصر جامعہ ھٰذا میں حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب مدظلہم نے اصلاحی درس دیا۔ ۱۷: حضرت مدظلہم نے خواتین میں اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔ ۲۰: حضرت مدظلہم نے مدرسہ حقانیہ للبنات میں فہم دین کورس کی طالبات سے اختتامی بیان فرمایا۔

۲۰: رمضان المبارک سے ۲۸ رمضان المبارک تک مسلسل ہر رات میں تین تین، چار چار بیانات کا سلسلہ جاری رہا، صدر جامعہ، حضرت مولانا محمد ظفر اللہ صاحب، مولوی عبدالناصر ترمذی اور راقم محمد آصف چنیوٹی نے ان پروگراموں میں حصہ لیا۔ ساہیوال کے علاوہ فروکہ، صدیق آباد، لکھیوال، چوہال، سرگودھا میں بھی صدر جامعہ کے بیانات ہوئے۔ ۲۹ ویں شب کو جامع مسجد حقانیہ میں حضرت علامہ مولانا عبدالغفار تونسوی مدظلہم اور مولانا مفتی محمد اعظم ہاشمی کا بیان بھی ہوا۔